© rasailojaraid.com

سود اور معیشت

جناب غلام سرور قریشی۔ جہلم

ترکی کے کمال اتاترک اور ایران کے رضا شاہ کبیر کو یہ بھول لگی کہ اقوامِ مغرب کی ترقی کا راز ان کی عورتوں کی بے پردگی میں ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے برقعے جلائے اور عورتوں کو جبراً ترکِ پردہ کی راہ پر ڈالا۔ اتاترک نے یہ ٹھوکر بھی کھائی کہ اسلام اور عربی زبان دونوں ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ چنانچہ آج یہ حال ہو گیا ہے کہ ایک خاتون رکن پارلیمنٹ کی رکنیت اس جرم میں ختم کر دی گئی کہ وہ اجلاس میں سر پر سکارف لے کر آئی تھی کیوں کہ اس سے ترکی کے سیکولر تشخص کو ضعف پہنچتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی نے ملک کو امریکی تہذیب میں رنگنے کے لیے ملاؤں کو ذلیل و خوار کیا مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ ہار گیا اور ملاں جیت گئے۔

اسی طرح ہمارے کچھ مسلمان بزرجمہروں کو ہمیشہ بے چینی سی رہتی ہے کہ کسی طرح سود کی آسمانی حرمت کو حلت میں بدل دیں۔ یہ مسلمان بزرجمہر اور دانشور قرآن و حدیث کے واضح احکام کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں، اقوامِ مغرب نے سود کے ذریعے ترقی کی ہے۔ چوں کہ یہ دانشور آسمانی احکام سے اعراض کرتے ہیں اس لئے ان کے سامنے بار بار احکامِ الٰہیہ کا پیش کرنا اور ان کا استرداد کرانا، میرے نزدیک کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ کی توہین ہے۔ اس لئے میں خالص معاشی اور دنیوی دلائل کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی اپنی سی سعی کروں گا کہ سود معیشت کو استوار نہیں بلکہ برباد کرتا ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

سود کیا ہے؟ سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ نقد روپے یا کسی دیگر جنس پر ایک مقررہ شرح پر نفع لینا اور آخر کار اصل زر بھی واپس لینا سود کہلاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ روپیہ لینے والے نے کاروبار میں لگایا ہو یا اپنی بیٹی کی شادی پر خرچ کیا ہو۔

دو طرفہ خرابی: سود خوار کا پیشہ سود خوری ہوتا ہے۔ وہ بڑی خوشی سے اپنی رقوم سود پر دیتا ہے اور ماہانہ سود باقاعدگی سے وصول کرتا ہے وہ دلی طور پر یہی چاہتا ہے کہ اس کی اسامی سود ادا کرے اور اصل زر بے شک کبھی ادا نہ کرے۔ یوں وہ بغیر کچھ کئے بہت سے لوگوں کی کمائی میں مستقل طور پر شریک ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے ہم نسلوں سے قطعاً کوئی ہمدردی نہیں ہوتی بلکہ وہ پرلے درجے کا سنگدل انسان ہوتا ہے جس کی نظر ہمیشہ دوسروں کی مجبوری اور جیب پر ہوتی ہے۔ مشہور انگریزی ڈرامہ نگار شیکسپیئر نے اپنے ڈرامہ "Marchant of Venius"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مرچنٹ آف وینس" میں سود خوار یہودی شائی لاک کو اسی مکروہ روپ میں پیش کیا ہے۔ وہ سودی اشٹام میں نہایت مکاری سے یہ لکھالیتا ہے کہ تین ماہ کے اندر اندر قرض واپس نہ کرنے کی صورت میں اپنی اسامی "اینٹونیو" کے عین دل سے نیچے کا ایک پونڈ گوشت اتارلے گا اور پھر وہ لرزہ خیز لمحہ ناظرین دیکھتے ہیں۔ جب وہ چاقو لیے گوشت کاٹنے کے لیے گورنر کے دربار میں آجاتا ہے۔ ہم ان دانشوروں سے یہ پوچھتے ہیں کہ شیکسپیئر نے سود کو معیشت کے لئے مفید ثابت کیا ہے یا معیشت او انسانیت دونوں کے لئے تباہ کن؟

سود انسانی معاشروں میں سنگدل، کمینہ صفت، حریص، طامع اور "رذیل شائی لاک" جیسے کرداروں کو جنم دیتا ہے۔ آخر کار شائی لاک کی بیٹی اس کا مال و متاع سمیٹ کر گھر سے بھاگ جاتی ہے اور وہ باقی عمر وینس کی گلیوں میں بال نوچتا پھرتا رہا۔

خرابی کا دوسرا پہلو: یہ ہے کہ سود پر روپیہ لینے والا شخص مستقل طور پر دوسروں کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے اور اپنے مستقبل کی ضروریات کے مطابق اپنے مالیات کی منصوبہ بندی کرنے کی بجائے فکرِ فردا کے سارے تقاضے مہاجن کی تجوری کے حوالے کر دیتا ہے اور جب کوئی ضرورت سر اٹھاتی ہے مہاجن کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ چودھری افضل حق نے اپنی مشہور تصنیف "زندگی" میں پنجابی زمیندار کی ایک افسانوی کہانی لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمیندار ایک بار جو سود کے چکر میں پڑا تو پھر ملازمت، عزت، خاندانی پردہ گویا سب کچھ جاتا رہا۔ جیل دیکھی اور آخر کار اپنے ہی مزارعین کا محتاج ہوا۔ یہ دنیوی حقائق ہیں۔ جو دانشمندوں کی توجہ کے لائق ہیں۔

بعض اہلِ علم سود کو منافع، انٹرسٹ اور رمارک اپ جیسے نت نئے نام دیتے ہیں تاکہ عامۃ المسلمین کے دلوں میں اس سے جو نفرت اور خوف موجود ہے، وہ نکل جائے اور وہ اس مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اور بڑے بڑے متقی لوگ اس جال میں پھنس جاتے ہیں، حالانکہ کتابِ دنیا کا ہر ورق اسکی تردید کرتا ہے۔ سود کے یہی نام اور دام ہیں۔ جو وقفے وقفے کے ساتھ بچھائے جاتے ہیں۔ اور ہوشیار لوگوں اور ٹھگوں کے گروہ لاٹریوں، انعامی کوپنوں فنانس کمپنیوں کے ذریعے دن دیہاڑے عوام کی خون پسینے کی کمائی ڈکار جاتے ہیں۔ یہ منافع کا لالچ تھا۔ جس نے لوگوں کا روپیہ سرکاری بنکوں سے نکال کر فنانس کارپوریشنوں اور نام نہاد مالیاتی اداروں کے دروازوں پر لا ڈھیر کیا۔ یہ درست ہے کہ اول اول اپنی ساکھ بنانے کے لئے لوگوں کو خوب خوب مقررہ منافع دیا گیا ہے سال دو سال بعد لاکھوں اربوں روپیہ ہضم کر لیا گیا۔

سود کا یہی فلسفہ ہے کہ اس سے چند افراد یا چند بنک خوب پلتے ہیں مگر اربوں لوگوں کا خون ان کی رگوں سے نچوڑ لیتے ہیں۔ یہ حقیقت بجائے خود بڑی عجیب ہے کہ اسی خون آشام صیہونی اور مہاجنی سود سسٹم سے چند لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی بگڑی بھی بنا لیتے ہیں۔ دراصل انھی چند لوگوں کی مثال اکثریت کے معاشی قتال کا باعث بنتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا ہوشیار شکاری چند دانے جال سے باہر بھی پھینک دیتا ہے جنھیں پرندے چگ لیتے ہیں اور بدکتے نہیں پھر وہ رفتہ رفتہ ان دانوں کی طرف بڑھتے ہیں جو تہ دام ہوتے ہیں اور پکڑے جاتے ہیں۔ مگر ان گنت لوگوں کی تباہی کے بعد!

تخلیقِ زر : روپیہ، روپے کو جنم نہیں دے سکتا۔ دولت یعنی روپے کو پیداوار جنم دیتی ہے بنک جو روپیہ لوگوں کو قرض کے طور پر دیتا ہے۔ وہ کسی بھی معروف قاعدے کے تحت دولت آفرین نہیں بن سکتا۔ ایسے تمام ادارے اور کارخانے جو سودی روپے پر چلتے ہیں رفتہ رفتہ قُرقی کے ذریعے بنک ہی کے قبضے میں آجاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بیمار صنعتوں کے نام سے ہزاروں کارخانے بند پڑے ہیں۔ وہ اسی سود کا شاخسانہ ہے۔ زرعی ترقیاتی بنک، زمینداروں کو قرض دیتا ہے اور سود لیتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ زمینداروں نے ٹریکٹر خرید لئے اور ٹیوب ویل بھی لگا لئے مگر چھوٹے کاشتکار اور درمیانے درجے کے زمیندار خاک میں مل چکے ہیں۔ ان کی زمین بنک کے پاس رہن ہے۔ اور ہر سال سینکڑوں زمینداروں کی اراضی قُرق ہو کر نیلام پر چڑھ جاتی ہے۔ یونہی ہاؤس بلڈنگ کارپوریشن ہر سال ان لوگوں کے وہ مکان نیلام کرتی ہے جو اسی کے روپے سے بنے تھے۔ سسٹم کی یہ خوبی نہیں ہوتی کہ وہ ایک مریض کا خون نکال کر دوسرے کو لگا کر اسے بچالے اور پہلے کو مار ڈالے۔ دریائے سود میں چھلانگ لگانے والے کچھ تو واقعی شناور ہوتے ہیں اور وہ کبھی کبھی اسے عبور کر جاتے ہیں مگر اکثریت اس میں ایسی بری طرح ڈوبتی ہے کہ بنک انکے وہ کپڑے بھی سلب کر لیتا ہے، جو یہ بدنصیب ساحل پر اتار کر اس ہلاکت آفرین سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔

سرمایہ اور محنت : یہ ایک بڑی پیچیدہ تھیوری ہے مگر اسکی غیر ضروری تفصیلات و تاویلات سے زبان قلم کو ناہ کرتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ سرمایہ بغیر محنت کے دولت آفرین نہیں ہو سکتا۔ یوں سرمایہ دار، سرمایہ کاری کرتا ہے اور مزدور محنت! سرمایہ کار کی اپنی دماغی محنت اور کاروبار کو چلانے اور بڑھانے کے لئے اس کی منصوبہ بندی بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہے، مگر اس سب کچھ کے بعد بھی اسے بازارِ احتیاج سے ان مزدوروں کی مشقت خریدنا پڑتی ہے جو تلاشِ زرق کے لئے طلب کی منڈی میں ہوتے ہیں۔ سرمایہ کاری، اعلیٰ دماغی صلاحیتوں کی منصوبہ بندی، فنی ماہرین مثلاً ٹیکنیشن اور انجینئر کی تکنیکی مہارت اور ہنرمند اور غیر ہنرمند مزدوروں کی جسمانی قوت اور بدنی مشقت جب ایک نظم میں ڈھل جاتی ہیں تو ایک کارخانے کا پہیہ حرکت میں آتا ہے۔ جو پیداوار کے عمل کی بنیادی اکائی ہے۔ پیداوار کارخانے، کھیت، کان کنی، دستکاری، شکار، باغات اور جنگلات وغیرہ سے ہوتی ہے۔ کھیت کا مالک اور مزارع یا کھیت مزدور اور مل مالک اور ورکر مل کر ہی پیداواری میدان مین حرکت لا سکتے ہیں۔

دور افتادہ گاؤں میں چرخہ کاتنے والی بڑھیا پیداواری عمل میں اضافہ کرتی ہے مگر کوئی بنک بیشک وہ کتنا بڑا ہو اور وہ کتنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سود دیتا اور سود کماتا ہو، پیداوار میں ایک دانے کا اضافہ بھی نہیں کر سکتا۔

بنکنگ کا طلسم: مہاجن، اپنی اسامی کی پیداواری صلاحیت کے ثمرات میں شریک بن جاتا ہے انفرادی معاملات میں بھی مہاجن کی سرمایہ کاری کسی خیر وبرکت کا ذریعہ نہیں بنتی بلکہ آسامی کی تباہی پر منتج ہوتی ہے۔ دیکھیں جو شخص سودی قرض کے سہارے بیٹی کی شادی کرتا ہے۔ وہ اپنی معاش کو مزید تنگ کر لیتا ہے۔ روپیہ جو تھا، سو اس تقریب میں برباد ہو گیا۔ باقی جس اقتصادی توانائی کے بل پر سودی قرض لیا تھا اور جو پہلے ہی کفالت کے لئے ناکافی تھی۔ اس پر سود کا بوجھ مزید آن پڑا۔ مہاجنوں نے دوسروں کی پیداواری صلاحیتوں کو اپنی خدمت میں لانے کیلئے جدید بنکنگ کی بنیاد رکھی، جو ایک خون آشام ویمپائر کی طرح پورے کرۂ ارض کی رگ اقتصاد اور پیداواری سرچشموں پر اپنے مکروہ دانت جمائے بیٹھی ہے اور جہاں کوئی پیداواری عمل فلاکت زدہ اقوام میں ہوتا ہے بغیر کسی عمل شراکت اور کاروبار یا تجارت کے نفع نقصان کے معروف رسک کے بغیر اپنا طے شدہ سود لے جاتی ہے۔ سود خوار آکاش بیل کی طرح جس درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی توانائیاں چوس لیتا ہے اور اسے ایندھن بنا کر چھوڑ دیتا ہے پھر خود کسی دوسرے سرسبز و شاداب پر براجمان ہو کر اپنے لئے قوت حیات حاصل کرنے لگ جاتا ہے۔ پیرس کلب، لنڈن کلب، آئی۔ ایم۔ ایف اور اس قسم کے مہاجنی ادارے یورپی اور امریکی ممالک چلاتے ہیں۔ ملک اور اقوام ان کی آسامیاں ہیں، جو حصول قرض کے واسطے انکے دروازوں پر ایڑیاں رگڑتے ہیں۔ پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ بدنصیب شکار مرہی چلا ہے تو چند دانے اسکے آگے ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ زندہ رہے اور اپنے خون پسینے کی کمائی سے ان کی تجوری بھرتا ہے۔ سیاسی آزادی، معاشی بربادی پر منتج ہو کر ہماری خود مختاری بھی کھا گئی۔

وہ دانشور جو سود کے حق میں بڑے دلائل دیتے ہیں۔ ان سے ہمارا ایک سوال ہے کہ سود کی جتنی مروجہ اور ممکنہ صورتیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں اور سودی قرض لینے کے جتنے مواقع ہیں۔ ہم ان کے تحت سودی قرضے لے چکے ہیں اور اپنے عوام کو دے چکے ہیں مگر آج ہماری اقتصادی زبوں حالی دنیا میں ضرب المثل بن چکی ہے تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ برکات جو یہ دانشور، سود کی بتاتے ہیں، وہ ہمیں کیوں نہ ارزانی ہوئیں؟ ہم نے کسانوں کو سودی قرضے دیئے۔ مگر دنیا کا نمبر ایک زرعی ملک، دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام رکھنے کے باوجود آج بھی خوراک درآمد کرتا ہے جبکہ ہمارے کاشتکار کی حالت آج بھی یہ ہے کہ وہ بیک وقت تہبند، کرتا، اور جوتا نہیں خرید سکتا اور پاؤں سے ننگا رہنا تو شاید اس کی پہچان بن چکی ہے۔ بنکنگ کا سودی نظام، پیداواری استعداد کو بڑھاتا نہیں بلکہ اصلاً گھٹاتا ہے، فرض کیجئے..... الف اور ب دو تاجر تھے ایک نے اپنے سرمائے سے کارخانہ لگایا۔ دوسرے نے بنک کے سودی قرض سے اپنا کارخانہ استوار کیا۔ اپنے سرمائے سے کام کرنے والا تاجر اپنی مالی استعداد کے مطابق اپنے کاروبار کو وسعت دیتا ہے اپنا مال معیار کے مطابق تیار کرتا اور مارکیٹ میں لاتا ہے۔ معیاری مال کے سینکڑوں طلبگار ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ وہ دیکھ بھال کر اپنی مصنوعات اچھے کاروباری ڈیلروں کو دیتا ہے۔ اچھے ڈیلر اچھی مصنوعات کی ایجنسیاں لینے کے لئے بڑی رقومات سیکورٹی کے طور پر پیشگی جمع کرا دیتے ہیں یوں اس کارخانہ دار کو بہت سارا روپیہ مل جاتا ہے وہ اپنے نفع کی شرح مارکیٹ کے مطابق معقول رکھتا ہے۔ یوں اس کے معیاری مال کی طلب منڈی میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ وہ اپنے مال کی کھپت کے رجحانات دیکھ کر اپنی پیداوار بڑھا دیتا ہے۔ لیکن جس کارخانہ دار نے سود پر روپیہ لیا تھا وہ دو میں سے ایک بے قاعدگی ضرور کرے گا۔ چوں کہ اسے منافع صرف اپنے لئے نہیں کمانا، بلکہ اپنے منافع کے علاوہ اسے بنک کے لئے بھی منافع کمانا ہے اس لئے وہ اپنی مصنوعات کی قیمتیں زیادہ رکھے گا۔ جب یہ گراں اشیاء بازار میں آئیں گی تو کون ہوگا جو انکے مقابلے میں سستی اشیاء کو چھوڑ کر انہیں خریدے گا۔ یوں اسے مندے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ادھر بنک کی قسط مع سود بلائے بے درماں کی طرح سر پر چڑھی چلی آرہی ہوگی۔ اب وہ یا تو اپنے دیگر اثاثے بیچے گا یا مزید قرض حاصل کر کے بنک کی قسط ادا کرے گا جبکہ مال کی کھپت کا دائرہ تنگ ہوگا۔ دوسری راہ اس کے سامنے یہ کھلی ہوگی کہ وہ مال کا معیار گرائے تاکہ لاگت کم اٹھے اور اسکی پوری پڑے مگر یہاں پھر وہی دقت پڑے گی کہ وہ غیر معیاری مال کو معیاری مال کی قیمت پر خریدنے والے گاہک کہاں سے پیدا کرے گا۔ اگر وہ مکرو فریب سے ایسا کرے گا تو اسے ڈیلر بھی مکار ہی ملیں گے جو مال تو اٹھائیں گے مگر ادائیگی کے واسطے تیسرے درجے کی پالیسی برتیں گے۔ وہ ادھار پر مال اٹھائیں گے اور رقوم قسطوں میں ادا کریں گے۔ اور ایک قسط کی ادائیگی میں ہی کارخانہ دار کے حوصلے چھڑا دیتا ہے۔ بالآخر صورت یہ بنتی ہے مال غیر معیاری، قیمت زیادہ، یافت ندارد، بنک کی سودی اقساط سر پر!!! یہی وہ کیفیت ہے جو آخر کار صنعتکار کو بیمار اور کارخانہ دار کو خودکشی پر تیار کرتی ہے۔

بنک ہر قسم کی معاشی برائی اور گرانی کی جڑ ہے۔ کاروبار کے لئے تجربہ بنیادی شرط ہے۔ کارخانہ دار کی معاشی خوشحالی کو دیکھ کر بہت سے ایسے لوگ بھی کارخانہ دار بننے کی تمنا کرنے لگتے ہیں جنہیں اس میدان میں کوئی تجربہ نہیں ہوتا چوں کہ بنک قرض دیتے ہیں اس لئے وہ بھی سودی قرض کے بل بوتے پر مل مالک بن جاتے ہیں مگر جلد ہی اپنی ناتجربہ کاری کے ہاتھوں خوار ہوتے اور میدان مقابلہ میں مار کھاتے ہیں، بنک مل نیلام کرا کے اپنا قرض لے لیتا ہے۔ اور اس قسم کے کارخانہ دار بعد میں "دلالی" کا دھندہ اپناتے ہیں، بنک کاروباری لوگوں کو قرضے دے کر انکی قوتِ خرید میں مصنوعی اضافہ کرتا ہے اور یہ لوگ منڈی سے اجناس، اپنی حقیقی قوتِ خرید سے زیادہ خرید لیتے ہیں اور ذخیرہ کر کے منڈی میں جنس کی قلت پیدا کرتے ہیں۔ جس سے جنس کی قیمت بڑھتی ہے اور جب قیمت بڑھتی تو یہ لوگ اپنے ذخیرے تھوڑے تھوڑے کر کے منڈی میں لاتے ہیں، یوں بنک کاروباری دنیا میں مستقل طور پر ذخیرہ اندوزی کرنے والا ایک طبقہ پیدا کرتا ہے جس کی ساری سوچ بچار کا محور یہ ہوتا ہے کہ ذخیرہ کردہ جنس کو اس حد تک اپنے گوداموں میں روکے رکھیں کہ صارف کمیابی جنس کے ہاتھوں مجبور ہو کر زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر ذخیرہ اندوز اب بھی اپنا پورا ذخیرہ بازار میں فروخت کے لئے پیش نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ ہر حربے سے اسی کوشش میں رہتا ہے کہ بازارِ طلب میں قلت کا احساس زیادہ قوی اور ہمہ گیر ہو تاکہ اس کی اجناس جو اس نے ارزاں قیمت پر خریدی تھیں، گراں سے گراں تر نرخ پر فروخت ہوتی رہیں۔ غلہ اور دیگر اجناسِ خوردنی کے کمیشن ایجنٹ اسی روپے میں سے کاشتکاروں کا استحصال بھی کرتے ہیں، کاشتکار کی روایتی فلاکت اور مجبوری اسے ان دلالوں کے اڈوں پر لاتی ہے اور وہ ان سے کھاد، بیج، آبیانہ اور مالیہ کے واسطے روپیہ حاصل کرتا ہے۔ یہ کمیشن ایجنٹ یہ روپیہ دو شرائط پر دیتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ کٹائی کے بعد اپنی پیداوار ان کے اڈوں پر لائیں گے۔ دوم یہ کہ اس روپے پر کاشتکار وہ سود ادا کرے گا جو کمیشن ایجنٹ بنک کو ادا کرتا ہے اس نقشے سے بخوبی عیاں ہے کہ بنک گرانی کا خالق اور ملک میں خود شائی لاک یہودی بن کر ایسے ایسے چیلے میدانِ معاش میں پھیلا دیتا ہے جو ظالمانہ ہتھکنڈوں سے صارف اور کاشتکار دونوں کو لوٹتے ہیں اور یہ گماشتے اتنا منافع کماتے ہیں جس سے پہلے تو بنک کی تجوری بھرتے ہیں اور پھر اپنی توند۔ اگر بنک لوگوں کی قوتِ خرید میں مصنوعی اضافہ نہ کرے۔ اور ہر تاجر اپنے روپے سے کاروبار کرے تو منڈی میں جنس کو ذخیرہ کرنے کا رجحان ختم ہو جائے گا۔ جنس ہمیشہ منڈی میں موجود رہے گی اس تحریر میں ہم نے عمداً سود کے خلاف کتاب و سنت سے دلائل نہیں دیئے، کیوں کہ سود کا حامی طبقہ اصلاً اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ پہلے ہی جنگ کر رہا ہے تو ان پر ان دلائل کا اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے ہم نے خالص سیکولر انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ سود معیشت کا قاتل ہے۔ بڑی دلیل جو اہلِ سود سود کے حق میں دیتے ہیں کہ لوگوں کی بچتوں کو میدانِ معاش میں کیسے لایا جاسکتا ہے۔ یہ سوال ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ جس کا روپیہ، بچے گا وہ خود سوچے گا کہ وہ اسے کس طرح کسی منافع بخش کام میں لگا سکتا ہے۔ ... پرایا مال کھانے والے آج ہماری لائف کی حفاظت کے ذمہ دار بھی بنے ہوئے۔ کل وہ کروڑ پتی سکیم لائیں گے ... پرسوں سونے کی بارش برسا کر مالِ دیگراں ہڑپ کریں گے۔ آخر ہمارے اتنے خیر خواہ کہاں سے نکل آئے ہیں؟ انہیں ہماری زندگی کے تحفظ کی ضمانت دینے کے لیے کس نے کہا ہے؟ جبکہ حال یہ ہے کہ اگر کوئی مسکین آدمی کسی مقدمے میں پھنس جائے تو عدالت میں اس کی ضمانت دینے والا کوئی نہیں ملتا! یہ لاٹری، یہ بانڈ، یہ بیمہ کاری سب کچھ سود کا دھندہ ہے جس نے پورے کرۂ ارض کو ایک بہت بڑے قمار خانے میں بدل دیا ہے۔ کم ہمت اور خیالی دنیا میں رہنے والے بے شمار لوگ اپنے خون پسینے کی کمائی ان سکیموں میں ضائع کرتے ہیں۔ لاٹری چلانے والے اربوں روپیہ سمیٹ لیتے ہیں۔ چند کروڑ، دو تین لوگوں کو دے کر باقی ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ہاں! یہ جواب ہمارے ذمہ ہے کہ لوگوں کی بچتوں کو کیوں کر معاشی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ اس کا ایک جواب تو اوپر آچکا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر حکومت واقعی سود سے پاک معاشی نظام قائم کرنا چاہتی ہے اور بڑے بڑے قومی منصوبوں کے واسطے سرمایہ بھی چاہیے تو اس کی کئی جائز صورتیں نکل سکتی ہیں: مثلاً حکومت کے بنک میں جو لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی بچت مستقل طور پر رکھیں گے ان کے بچوں کو اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلے کے وقت دس اضافی نمبر دیئے جائیں گے .... یا سرکاری ملازمتوں میں ان کے بچوں کے میرٹ پر دس نمبر کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اگر قرض کی ضرورت پڑ جائے تو حکومت ان کی بچتوں کے تناسب سے قرض بھی دے گی۔ یہ بچتیں ماہ بماہ بنک میں آئیں، یہ نہ ہو کہ امراء فائدہ اٹھانے کے لئے وقتی طور پر روپیہ بنک میں ڈال دیں اور مطلب نکال کر روپیہ نکال لیں۔ بچتوں کے رجحان میں اضافہ کرنے اور انہیں سرکاری بنکوں می رکھنے کے لیے ترغیب اور تشویق کے اور بھی کئی طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی بچتوں کو سرکاری بنکوں میں رکھنے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنے کے لئے یہ قانون بنادیا جائے کہ ان کھاتوں کا سرٹیفکیٹ عدالت میں کسی شخص کی ضمانت کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو انکم ٹیکس میں بھی رعایت دی جاسکتی ہے۔ یہ بھی انتظام کیا جاسکتا ہے کہ ملک کے ایسے محسنوں کو سرکار دربار میں کرسی کا استحقاق ہوگا۔ اس قسم کے کفایت شعار لوگوں کو سرکاری رہائشی سکیموں میں ترجیحی طور پر پلاٹ بھی دیئے جاسکتے ہیں یوں تشویق و ترھیب کے ہزاروں طریقے اپنائے جاسکتے ہیں کہ لوگ بچت بھی کریں اور اپنی بچتیں سٹیٹ بنک میں بلاسود کھاتے میں جمع کرائیں۔

سٹاک ایکسچینج : مغرب کے عیسائی اور یہودی مہاجنوں نے سٹاک ایکسچینج کے نام پر جوئے کے اڈے پوری دنیا میں قائم کرادیئے ہیں۔ سٹاک ایکسچینج کا معیشت سے ایک تعلق ضرور بنتا ہے مگر وہ تعلق بعد میں جوئے میں بدل جاتا ہے۔ وہ تعلق یہ ہے کہ جب کوئی لمیٹڈ کمپنی اپنے حصص فروخت کے لئے مارکیٹ میں پیش کرتی ہے اور لوگ وہ خرید لیتے ہیں تو آگے یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ کچھ لوگ اتنے حصص خرید لیتے ہیں جن کے ذریعے وہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ممبر بن کر کمپنی کے انتظامی اور کاروباری معاملات میں دخیل ہو سکتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اتنے شیئرز خرید لیتے ہیں کہ وہ باضابطہ اس کمپنی کے حصہ دار یعنی شیئر ہولڈرز کہلاتے ہیں اور کمپنی کے سالانہ اجلاس میں طلب کئے جاتے ہیں اور اپنے اپنے شیئرز کی مالیت کے تناسب سے سالانہ نفع یا نقصان اٹھاتے ہیں۔ اگر یہ معاملہ اس قدر ہو تو بجا ! کیونکہ اس سے کمپنی کو سرمایہ فراہم ہوتا ہے اور وہ اپنے کاروبار میں وسعت لاتی ہے اور اپنے ڈائریکٹرز اور حصہ داران کو نفع نقصان دونوں میں شریک کرتی ہے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ بروکرز جو اس منڈی میں دلال ہوتے ہیں وہ بھی چند سو یا چند ہزار حصے خرید لیتے ہیں یا شیئر ہولڈرز اپنی ضرورت کے تحت اپنے حصے فروخت کرنے کے لئے ان کے پاس آتے ہیں اور وہ یہ حصص خرید لیتے ہیں۔ یوں اس منڈی میں حصص کی خرید و فروخت کا سلسلہ چل نکلتا ہے اور اس کاروبار سے اصل کمپنی کا کوئی تعلق نہیں رہتا کیونکہ وہ تو اپنے حصص فروخت کر چکی ہے اور جتنا روپیہ اس کو مل سکتا تھا وہ لے چکی ہے۔ اب جتنا کاروبار اس کے حصص پر ہو رہا ہے اسکا کوئی نفع کمپنی کو نہیں ہوتا بلکہ بروکروں اور حصص پر جوا کھیلنے والوں کو ہوتا ہے یہ قمار باز ظن و تخمین سے کبھی ایک کبھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری اور کبھی تیسری کمپنی کے حصص کی خرید میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے سرمایہ دار حتی کہ بیرونی ممالک کے قمار باز بھی یہ حصص خریدنے لگ جاتے ہیں۔ کچھ چھوٹے موٹے قمار باز بھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر اچانک بڑے قمار بازان حصص کی فروخت شروع کر دیتے ہیں جس طرح خریداری کے وقت ظن و تخمین سے کام لیا جاتا ہے اسی طرح فروخت کے وقت بھی قیاس کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں۔ اسی قیاس کی جنگ میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ بڑے قمار باز جیت جاتے ہیں۔ افواہ سازی اس کاروبار کی بنیاد ہے۔ بروکر اپنے اپنے مفاد کے مطابق افواہیں گھڑتے اور پھیلاتے ہیں اور اچانک ایک دن خبر آجاتی ہے کہ مارکیٹ کریش ہوگئی ہے۔ یہ کریش کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ بڑے قمار زاب اپنا ہاتھ دکھا گئے اور چھوٹے قمار باز مارے گئے۔ اس لئے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر سٹاک ایکسچینج بیٹھ گئی ہے تو ملکی معیشت بیٹھ گئی ہے۔

کوئی کمپنی اپنے ایک شیئر کی حقیقی قدر ہی وصول کرتی ہے۔ اس کے بعد اگر سٹاک مارکیٹ میں اسکے ایک شیئر کی قیمت دس روپے سے بڑھ کر دوصد روپے ہو جائے تو کمپنی کو اس میں سے کچھ نہیں ملتا، اگر کوئی بندہ شیئر لئے کمپنی کے دفتر میں چلا جائے تو کمپنی اسے اس شیئر کی وہ حقیقی قدر ہی ادا کرے گی جو اس پر لکھی ہوتی ہے اور جسے (Face Value) ''فیس ویلیو'' کہتے ہیں۔ اس طرح جب کسی کمپنی کے شیئرز کی قیمت سٹاک ایکسچینج میں بڑھتی ہے تو فائدہ قمار بازوں کو ہوتا ہے، اور جب گھٹتی ہے تو قمار باز ہی پٹتے ہیں۔ معیشت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حصص کے بازار میں کسی کمپنی کے حصص کے شیئرز کی قیمت میں اضافہ اس کی کاروباری ساکھ یا وسعت پر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات نہایت غیر معروف کمپنیوں کے حصص کی قیمت اچانک بڑھ جاتی ہے اور اسی طرح کسی بڑی اور معروف کمپنی کے حصص کی گھٹ جاتی ہے۔ سارا اتار چڑھاؤ افواہوں کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ بروکر اور انکے گماشتے مختلف قسم کی افواہیں تراشتے اور منڈی میں پھیلاتے ہیں۔ شیئر رکھنے والوں کے دل و دماغ پر اپنے اپنے مطلب کے اثرات مرتب کرنے کے لیے مختلف مارکیٹوں میں مختلف خبریں نہایت سلیقے سے پھیلائی جاتی ہیں۔ مثلاً: کراچی کے افواہ ساز ٹیلی فون پر لاہور والوں سے رابطہ کرتے ہیں، پھر لاہور والے تصدیق کی خاطر اپنے بروکروں سے کراچی میں رابطہ کرتے ہیں۔ یوں آنِ واحد میں خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے، ہر شیئر ہولڈر ظن و تخمین کے زائچے کھینچتا اور فیصلے کرتا ہے، یوں لوٹنے کا عمل جاری رہتا ہے، جس سے کمپنی کے اثاثے ہرگز متاثر نہیں ہوتے۔

سٹہ بازی: ظن و تخمین کی ایک اور شکل سٹہ بازی ہے۔ یہ بھی استحصال کی ایک صورت ہے جو معیشت پر اثرانداز نہیں ہوتی۔ یہاں بھی کوئی لٹتا اور کوئی لوٹتا ہے۔ بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے قرض اور سود کے جال میں پھنسے ہیں۔ بنک کی اقساط کی ادائیگی ممکن نہیں رہتی تو وہ دیگر وسائل سے روپیہ حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ مثلاً: کپاس کے ڈیلر جب تنگ ہوتے ہیں تو کراچی کے بڑے تاجروں سے رابطہ کرتے ہیں وہ فصل کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیمت فصل آنے سے پہلے مقرر کر لیتے ہیں اور روپیہ ادا کر دیتے ہیں، فرض کیجئے کپاس کی فصل جب بازار میں آتی ہے تو قیمت ہزار روپیہ فی کوئنٹل نکلتی ہے، مگر قرض دینے والوں نے اپنی آسامیوں سے نو سو روپے فی کوئنٹل کپاس خریدنے کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ اب وہ بد نصیب آسامی منڈی سے ہزار روپیہ فی کوئنٹل کپاس خریدے گی اور نو سو روپے کے حساب سے اپنے قرض خواہ کو دے گی۔

ان ساری معروضات پر نظر کر کے قارئین آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ سود، سٹہ، حصص کا کاروبار، لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا معیشت پر کیا مثبت یا منفی اثر پڑتا ہے، آپ کے ذاتی علم میں بھی یقیناً ایسے بد نصیب تاجروں کی مثالیں موجود ہوں گی کہ جنہوں نے ان ذرائع سے بڑی بڑی صنعتی اور کاروباری ایمپائرز قائم کیں مگر آخر کار سود کا عفریت انہیں نگل گیا۔ ان کی ساری چکا چوند جاتی رہی۔ وہی بنک جو روپیہ جھولیوں میں بھر کر کسی زمانے میں ان کے پیچھے پھرتے تھے آج پولیس لئے انکی تلاش میں پھرتے ہیں اور وہ بے چارے دیوالیہ ہو کر روپوش ہونے میں ہی عافیت پاتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ اس سسٹم کے تحت کچھ لوگ پنپ جاتے ہیں۔ مگر سسٹم وہ نہیں ہوتا جو لاکھوں افراد کے خون کے بعد چند لوگوں کو زندہ بھی رکھ لے۔ سسٹم وہ ہوتا ہے جو اکثریت کی بھلائی کا ضامن ہو۔ سود سے پاک ہکاری کے قیام کے واسطے کوئی زیادہ تردد نہیں کرنا پڑے گا۔ کچھ ہڈ حرام قسم کے لوگ سودی کھاتوں اور سودی کاروبار کے ذریعے ہر یکم تاریخ پر سود لے آتے ہیں۔ اور بڑے نازاں ہوتے ہیں کہ وہ چین کی بنسی بجاتے ہیں۔ لیکن وہ دنیوی طور پر بھی دیکھیں تو بہت گھاٹے میں ہیں۔ بے کار رہنے کی وجہ سے انکی صحتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ بڑے وسیع پیمانوں پر کاروباری دھندوں کی وجہ سے دن کا سکون اور رات کا چین ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہر وقت خوف سا طاری رہتا ہے، گھروں اور کاروباری مراکز کے سامنے کلاشنکوف لیے چوکیدار کھڑے ہوتے ہیں، باہر نکلتے ہیں تو مسلح باڈی گارڈ انکے ساتھ ہوتے ہیں۔ چونکہ اطمینان صرف اللہ کے ذکر میں ملتا ہے، جس سے وہ محروم ہوتے ہیں اس لیے راتوں کو سونے کے لیے بھی سکون بخش اور خواب آور دواؤں کے بغیر سو نہیں سکتے۔

بلبل کو ثمر، شہد کی مکھی کو پھولوں کا رس، گوبر کے کیڑے کو گوبر ملتا ہے۔ بے شمار عصمت مآب دیویاں بیوگی کا درد سہتی مگر چکی پیس کر اور گھروں میں برتن مانجھ کر گزران کرتی ہیں۔ اور دفترِ عفت کی صدر نشین ہوتی ہیں۔ مگر کئی بدبخت عورتیں گوہرِ عصمت کو جنس فروختنی بنا کر بیسوا ہو کر مرتی ہیں۔ یوں کم ہمت سود خور، سود کو ہی ذریعہ رزق سمجھ کر اسی پر مرتا ہے، ورنہ میدانِ معیشت کی پہنائیوں میں کوئی اپنی جولانی دکھائے تو رزقِ بسیط کے خزانے موجود ہیں۔

بڑے افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ ملک میں تقریباً پون صدی تک قرآن پاک اور دیگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہبی کتب چھاپنے والی تاج کمپنی سودی کاروبار کرتی رہی اور لوگوں سے طے شدہ منافع پر روپیہ لیتی رہی مگر کسی مذہبی سکالر کو اس کا تدارک کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ عوام الناس کے علاوہ بعض بڑی پاکباز ہستیاں اس کاروبار میں شریک رہیں اور سود منافع کے نام پر کھاتی رہیں۔ مگر سود کا شیطانی چکر کہیں نہ کہیں جاکر تو رکنا تھا اور جب رکا اور منافع کی جگہ نقصان کی باری آئی تو متاثرین تاج کمپنی کا ایک بہت بڑا گروہ نمودار ہوا۔ بات سیدھی سی ہے کہ اگر نفع نقصان میں شراکت کی بنیاد پر کمپنی میں روپیہ لگایا گیا تھا تو جب کمپنی دیوالیہ ہوگئی تو نقصان اٹھانا سرمایہ کاروں کی ذمہ داری ہے یہ متاثرین کیسے بن گئے۔ معلوم ہوتا ہے سرمایہ کاری صرف منافع پر کی گئی تھی جو سراسر سود ہے، مزے کی بات ہے کہ جب کمپنی کو روپیہ دیا جاتا تھا۔ اور منافع لیا جاتا تھا تو حکومت کا کوئی واسطہ درمیان میں نہ تھا مگر جب کمپنی بیٹھ گئی تو ملزم حکومت بن گئی۔

•

ہم نے صحیفہ زندگی کا ۶۳ سال مطالعہ کیا ہے مگر ہمیں کاروبار کا کوئی ایسا طریقہ یا اصول نظر نہیں آیا کہ کوئی پارٹی ایسی بھی ہو جو ہمارے پیسے سے کاروبار کرے، مشقت اٹھائے اور ہمیں گھر بیٹھے بٹھائے ماہ بماہ منافع پہنچا دے کیوں کہ دنیا میں کوئی بھی کاروبار ایسا نہیں جو پورے تیس دن بعد اپنا نفع بتادے۔ اس قسم کے سب کاروبار جلی یا خفی طور پر سود پر چلتے ہیں اور ان میں روپیہ لگانے والوں کے ضمیر جانتے ہیں کہ یہ سود ہے مگر دل کو تسلی دینے کے لئے عقل حیلہ جوئی بہانے تراش لیتی ہے۔ یہ سب منافع صریحاً سود ہے، سود ایک شیطانی چکر ہے جو کبھی نہ کبھی تو ختم ہوتا ہے اور جب ختم ہوتا ہے تو ان گنت لوگ اس میں پس چکے ہوتے ہیں، یوں سود کسی معیشت کی ترقی کی ضمانت نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ اور دیگر ممالک بے شک سود کھاتے ہیں مگر یہ کہنا کہ ان کی معاشی اور اقتصادی ترقی سود سے ہوتی ہے تو یہ نری کم عقلی کی بات ہے، ان کی ترقی ان کی محنتِ شاقہ، کاروباری دیانتداری، اعلیٰ معیار، فنی اور تکنیکی مہارت، سائنس میں دسترس، ایجاد و اختراع کی لیاقت اور ملکی مصنوعات سے محبت ہے۔ جہازوں، توپوں اور ایٹمی آبدوزوں کو تو الگ رکھئے صرف یہ اندازہ کریں کہ ایک راڈو گھڑی کی کیا قیمت ہے۔ اور اس میں استعمال ہونے والے مال کا کیا وزن ہے، یہی کوئی پانچ دس تولے اور قیمت لاکھوں میں! آخر یہ کیا ہے؟ یہی ان کی صنعتی ترقی کا راز ہے۔ ہماری کم بختی یہ ہے کہ کارخانہ دار بد دیانت، انجینئر نالائق، مال غیر معیاری اور مزدور کاہل! ترقی کیسے ہو؟ کوئی اچھا برانڈ کسی شے کا مقبول ہو جائے تو کارخانہ دار رفتہ رفتہ معیار گرانا شروع کر دیتا ہے یا اس مقبول برانڈ کی نقل بازار میں آجاتی ہے، ہمارے بازار ہر قسم کے دو نمبر مال سے بھرے پڑے ہیں۔ گاہک کی مت ماری جاتی ہے۔ اصل اور نقل میں فرق کر لینا ہر صارف کے لئے ممکن نہیں ہے۔

ادھر صارف کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے مردوں کے لئے کفن بھی جاپانی کے ٹی کا خریدنا چاہتے ہیں پاکستان کا دیسی سامان معیار کے لحاظ سے گو امریکی مصنوعات کا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر اتنا بھی گیا گزرا نہیں کہ ہم اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خریداری سے ہی نفرت کریں۔ پاکستان میں مقیم غیر ملکی سرمایہ کار اور سفارتی مشنوں کے غیر مقامی اہلکار کو اگر بلیڈ بھی خریدنا ہوتا ہے تو وہ اپنے ملک کا بنایا ہوا خرید تا ہے، یوں اس کا پیسہ اسکے اپنے ملک کو چلا جاتا ہے، مگر پاکستانی صارف اس قسم کی قومی سوچ سے سراسر نابلد ہے، وہ غیر ملکی مصنوعات کا اس قدر رسیا ہے کہ جب حج کرنے جاتا ہے تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بازاروں پر یوں ٹوٹ پڑتا ہے کہ گویا حج ثانوی چیز تھی اور اصل غرض جرمنی اور جاپانی سامان کی خریداری تھی۔ یہ ہیں وہ وجوہات جن سے اقوامِ مغرب نے ترقی کی ہے۔ اور ہم نے تنزلی پائی ہے۔ سود ہی اگر ترقی کا ذریعہ ہوتا تو ہماری معیشت کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے مگر ترقی ندارد اور نہ آئندہ ہو گی۔

سود کی ایسی ایسی صورتیں ہیں کہ بعض بڑے بڑے متقی لوگ بھی نہیں پہچانتے اور شاید نادانستگی میں ان ذرائع سے سود کھاتے ہیں۔ مثلاً سرکاری ملازمین اپنے پراویڈنٹ فنڈ پر ملنے والا سود شیرِ مادر کے طور پر کام میں لاتے ہیں، سود کی حلت ثابت کرنے کے لئے یار لوگ دور کی کوڑی لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عہدِ قدیم میں مہاجن آسامی کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے اور قرض پر سود لیتے تھے، اب اگر جبر کا پہلو نہ رہے تو وہ حرمت جاتی رہے گی مگر قرض لیا ہی مجبوراً جاتا ہے ، بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کی سکت نہ رکھنے والا باپ بھی مجبور ہے اور اپنی مالی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے عاجز تاجر بھی مجبور ہے۔ دونوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنا روپیہ گھر میں رکھ کر سودی قرضہ اٹھاتا دونوں مجبور ہوتے ہیں اور مہاجن یا بنک دونوں کی احتیاج سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

...... بقیہ انٹرویو : علامہ محمد مدنی صاحب (بیت اللہ ہمارا دربار اور مسجد نبوی ہماری سرکار ہے)

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کا کوئی مقبرہ بنایا۔ ہاں! البتہ ترکوں نے ہزار سال بعد آپؐ کی قبرِ اطہر پر گنبد بنایا۔

دن : نور الدین زنگی کا واقعہ کس حد تک درست ہے؟ علامہ مدنی : اس واقعہ میں کیا حقانیت ہو گی؟ اللہ حفاظت کرتا ہے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی حفاظت کیلئے آسمان سے زمین تک فرشتے حفاظت کرتے ہیں۔ اور جسکی اللہ حفاظت کرتا ہے اسے کون ہے جو نقصان پہنچائے؟؟ میں پھر ایک بار واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا تعلق اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے ہے۔ اس کے برعکس یہاں قبریں بچی جاتی ہیں۔ ہر سال علی ہجویری کی قبر کو ٹھیکے پر دیا جاتا ہے آپ بتائیں کہ علی ہجویری کی قبر ٹھیکے پر کیوں دی جاتی ہے؟ اس کی ہڈیاں کیوں بچی جاتی ہیں؟ صرف کمائی کیلئے! یہ کمائی کے اڈے ہیں۔ اگر آج ان قبروں سے کمائی ختم ہو جائے تو یقین مانئے کہ یہ لوگ کبھی مغفرت کی دعا بھی نہ مانگنے آئیں۔

دن : قبر آمنہ کے بارے میں اگر کوئی طبقہ سپریم کورٹ سے رجوع کرلے تو کیا ہو گا؟

علامہ مدنی : وہ لوگ سپریم کورٹ میں جائیں.... ہمیں تو اس بات پر خوشی ہو گی۔ ہم بھی دلائل دیں گے۔ وہ بھی دلائل دیں۔ پٹاری سے سب کچھ باہر آجائے گا۔ قرآن و حدیث کے مطابق عقیدہ رکھنے والا جیت جائے گا.... مگر یہ لوگ عدالتوں میں آنے والے نہیں۔ اہلِ تشیع انہدامِ جنت البقیع کا دن ہر سال مناتے ہیں۔ اسکے مقابلے میں انہوں نے کمزور ایمان والوں کو گرم رکھنے کیلئے یہ ایشو اچھالا ہے۔ ورنہ اس کی اب یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com